ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
etitor@zauq-e-tahqeeq.com
Vol. 3, No.2 (2021)
(April to June)

اُردو تنقید میں مشرق و مغرب کے اَفکار: ایک تنقیدی مطالعہ

Thoughts of the East and West in Urdu Criticism: A Critical Study

محمد شوکت علی

لیکچرار، شعبہ اُردو، اسپائر کالج مناواں، لاہور

Abstract:

The criticism of Urdu presented the feature of literature. Urdu criticizes western ideas on criticism. Due to these ideas, the path of exploring and testing literature is smooth. Unless literature is considered to be a test, it cannot imagine it. Critics have tried to examine literature according to the latest requirements. The first critics of Urdu literature have been marked. They highlight the utility and attitude of literature. How literature is standard and useful in life? The tradition of modern literature by reflection of literature was reflected. The writers presented the true meaning of Urdu literature have been promoted. Similarly, the writers presented the importance of literature in west. Their style is also presented.

Key Words: Criticism, Examine, Literature, Requirements, Promoted, Standard, Reflection, Urdu literature.

اُردو تنقید کی ابتدا میں مغربی تصورات بہت اہمیت کے حامل ہیں کیوں کہ ان تصورات نے تنقید پر بڑے گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔ مغربی افکار و تصورات کے اردو ادب میں شامل ہونے سے پہلے چند ایک تنقیدی روایتیں اردو ادب کی زینت تھیں۔ مغربی نظریات و تصورات نے اردو ادب میں ایک نیا تنقیدی انداز پیش کیا۔ اس سے اردو ادب میں تنقیدی رجحان کی نئی سمت متعین ہوئی۔ سر سید احمد خاں نے سب سے پہلے اردو تنقید میں مغربی نظریات کو اپنایا۔ مغربی تنقید کے اثرات سب سے پہلے سر سید کی تصنیف "تہذیب الاخلاق" میں واضح ہونا شروع ہوئے۔ سر سید کی ادبی تحریک کا رجحان شروع میں ملک و قوم کی ترقی کی طرف تھا اور تنقیدی نوعیت پر کم تھا، لیکن انھوں نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اردو ادب میں قوم کی بیداری، فلاح و بہبود، اصلاح، سماجی شعور، اخلاقی اور مذہبی تصورات پیش کرنے پر زیادہ توجہ دی۔ شروع میں سر سید کی ادبی تحریک نے معاشرتی، فلاحی اور اصلاحی کاموں پر زیادہ زور دیا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کا رجحان ادب میں اصلاح اور تنقید کی ضرورت و اہمیت کی طرف بڑھا۔ اس

تحریک نے مغربی اور مشرقی تنقیدی تصورات سے استفادہ کیا۔ سب سے پہلے حالی، شبلی، اور آزاد نے اپنے تنقیدی خیالات کو مغربی اور مشرقی تصورات کے تناظر میں پیش کیا۔ اردو تنقید میں حالی درجہ اوّل کا نقاد ہے۔ انھوں نے اردو تنقید پر ایک شاہکار تصنیف "مقدمہ و شعر و شاعری" لکھی جس میں انھوں نے مغربی شاعر اور ادیب دونوں کے خیالات و تصورات سے اثرات قبول کرتے ہوئے اپنے تنقیدی رجحان کی سمت متعین کی۔ حالی جن مغربی ادیبوں اور شاعروں سے متاثر ہوئے، اُن میں میکالے، ملٹن، شیکسپیئر، دانتے، واٹر اسکاٹ، گولڈ اسمتھ اور ہومر کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ حالی نے مغربی نظریات و تصورات سے اثر قبول کرتے ہوئے اپنی کتاب "مقدمہ شعر و شاعری" جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ اس میں انھوں نے اپنے تنقیدی تصورات کو پیش کیا۔ ڈاکٹر انوار احمد رقم طراز ہیں:

> "الطاف حسین حالی کی تنقیدی صلاحیت، مغرب کے خیالات کے تجزیے کی صلاحیت بلکہ انگریزی زبان سے ہونے والے اردو تراجم کی تفہیم کی استعداد پر کیسے کیسے سوال نہیں اٹھائے گئے، مگر حقیقت یہ ہے کہ مقدمہ شعر و شاعری اردو انتقاد کی روایت کا ایسا سنگِ میل ہے، جو سوا سو سال گزرنے کے باوجود اپنی علمی و ادبی کشش میں اضافہ کرتا آیا ہے۔"(۱)

افلاطون کو سقراط کا شاگرد ہونے کا شرف حاصل ہے اور وہ یونان کا مشہور فلسفی تھا۔ افلاطون کے شعری نظریات میں کافی اہم تعمیری خیالات موجود ہیں اور انھوں نے تنقید کے صحیح اصولوں کو نمایاں کیا۔ فن کے خارجی اور داخلی محرکات کے پرکھنے اور جانچنے کی داغ بیل ڈالی اور فلسفیانہ تنقید کی ابتدائی کاوشوں کو پیش کیا۔ انھوں نے ادبی ناقدین کو ادب اور زندگی کے باہمی تعلق کو نفسیاتی طور پر پرکھنے اور انسان کے ذہنی شعور کو سمجھنے کی طرف توجہ مبذول کی۔ شاعری کی مختلف جہتوں کو اپنے تنقیدی نظریات میں پیش کیا۔ اُن کے خیال میں شاعری زندگی کے لیے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے انبساط و آسودگی مہیا کرنے کا ذریعہ ہے۔ انھوں نے "شاعرانہ جنون" یعنی الہامی کیفیات اور فن تخلیق کی تمام عظیم جذباتی کیفیات کو پیش کیا۔ انھوں نے شاعری کو مثالی دنیا کی نقل کہا اور انسان کی وجدانی کیفیات کے تاثرات کو بیان کیا۔

افلاطون نے شاعری کی نسبت فلسفہ کو زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھا، لیکن جو انھوں نے شاعری کے لیے دلائل دیے ہیں، ان کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور شاعری کو مستحسن خیال کرنے والوں نے افلاطون کے خیالات ہی سے استفادہ کیا۔ سب سے پہلے انھوں نے ادبی تنقید کے تنقیدی تصورات کو پیش کیا۔ ان کا تنقید میں ایک اصطلاحی پہلو 'تقلید' یا 'نقالی (Imitation)' آج بھی تنقیدی مباحث میں پیش کیا جاتا ہے۔ انھوں نے شاعری اور خطابت کی ماہیت کے لیے اور ان کے مقاصد کے اصول وضع کیے۔ شاعری اور

خطابت کے باہمی اسلوب، تکنیک، موضوع اور بصیرت کے معاملات زندگی کے ساتھ پیش کیے۔ افلاطون کے تصورات میں کلی حدّوں اور مابعد الطبعیاتی حقائق کی پیشن گوئی بھی ہوتی ہے۔ اس ضمن میں خلیفہ عبدالحکیم لکھتے ہیں:

> "افلاطون کے تصورات وہ کلی حدّیں ہیں جن کو بعد الطبیعیاتی حقائق قرار دے کر ان کا وجود الگ اور مستقل قرار دیا گیا ہے۔ اس لیے اس عالم تصورات میں ہر کلی تصور موجود ہو گا۔" (۲)

افلاطون کے تصورات میں تمام ممکن اشیا، صفات، اضافات اور افعال کے تصورات اجاگر ہوتے ہیں۔ انھوں نے فطرت کی ہر اچھی اور بری چیز کے بارے میں تصورات کو کلی حدود میں پیش کیا اور عظیم فی نفسہ، اسم فی نفسہ، بستر فی نفسہ اور غلام فی نفسہ کے تصور کو بھی واضح کیا۔ افلاطون نے اپنے تصورات میں خیر اور شر کو کلی حدود میں دیکھنے کی سعی کی ہے، لیکن اس نسبت سے خدا کی شخصیت کو اپنی بحث میں شامل نہیں کیا۔ ان کے تصورات میں مادہ، روح، کائنات، انسیاّت، اخلاقیات، مذہب و فن اور قوانین کے اثرات اجاگر ہوتے ہیں۔ افلاطون کائنات کے بارے کلی نظریے کے حامل ہیں۔ بقول خلیفہ عبدالحکیم:

> "افلاطون کائنات کو ایک مکمل کرّہ تصور کرتا ہے، زمیں اس کے نزدیک ایک ٹھوس کرّہ ہے جو عالم کے وسط میں واقع ہے۔ ثوابت اور سیاّرے برجوں اور حلقوں میں جڑے ہوئے ہیں جن کی گردش کے ساتھ وہ گھومتے ہیں۔ جب تمام ستارے اپنے اصلی مقام پر واپس آجاتے ہیں تو ایک کونی سال ختم ہوتا ہے جس کی مدت دس ہزار برس ہے۔" (۳)

افلاطون کائنات اور اس کے اجزا پر مکمل یقین رکھتا ہے، آگ اور پانی سے زمین کی تباہی کو منسوب کرتا ہے۔ اس کے خیال میں مرئی دیوتا ہے، ستارے معقول اور مسعود مخلوق ہیں۔ کل کائنات ایک محسوس دیوتا ہے جس کے اندر تمام مخلوقات کا فوق الاحساس موجود ہے اور تنقید میں ارسطو کے نظریات و تصورات کو بھی محسوس کیا جاتا ہے۔ ارسطو، افلاطون کا شاگرد تھا اور یونان کا ایک عظیم مفکر تھا۔ اس نے سماجی زندگی میں انسانی فلاح و بہبود کے لیے منظم نظام قائم کرنے کی کوشش کی اور انسانی فطرت کے مطابق داخلی اور خارجی امور کو پرکھنے کا نظریہ پیش کیا۔ انھوں نے فلسفی کے شعور و استدلال سے معاشرتی اقدار و روایات کی تنظیم نو کی۔ ان کے شاگرد ارسطو نے سائنس دان کی طرح نقطۂ نظر اور خارجی اشیا کے مطالعہ سے مشاہدہ کیا۔ انھوں نے سائنسدانوں کی طرح مشاہدات، تجزیات، مفروضات، تجربات، اصولوں اور نظریوں کی آبیاری کی۔ ارسطو نے اپنے نظریات کو افلاطون کی اصطلاحات اور نظریات کے پیش نظر اپنے نظریات کو واضح کیا ہے اور ان کے خلاف اپنے عقلی شعور کو بھی نمایاں کیا۔ ارسطو نے

افلاطون کے بر خلاف فلسفہ کی بجائے شاعری کو اہم قرار دیا، ادب کو سنجیدگی اور استدلالی انداز میں اپنایا جبکہ افلاطون شاعری کی نسبت فلسفہ کی طرف زیادہ مائل تھا۔ ارسطو کی تصانیف میں "بوطیقا (Poetics)" اور "فن خطابت" بہت اہم ہیں۔ ان کتابوں میں اُن کے نظریات شاعری اور خطابت پر مبنی ہیں۔ تنقیدی نوعیت سے ان کی کتاب "بوطیقا" میں ادبی تصورات کو پیش کیا گیا ہے۔ اردو ادب کے ناقدین بھی ارسطو کے تنقیدی نظریات سے متاثر ہیں۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> "بوطیقا میں ارسطو نے نقل، نیچر، شاعری کی اصل، شاعری کی اقسام، ٹریجیڈی کے اصول وغیرہ پر بحث کی ہے اور شاعری کا ایک آفاقی نظریہ پیش کیا ہے۔ "نقل" (Imitation) فن جمالیات کی ایک بنیادی اصطلاح ہے۔ ارسطو اس لفظ کا اطلاق شاعری پر کرتا ہے۔ پروفیسر بوچر کے الفاظ میں ارسطو کے ہاں "نقل" کا مطلب ہے: حقیقی خیال کے مطابق پیدا کرنا۔ اور خیال کے معنی میں: اشیاء کی اصل جو عالم مثال میں موجود ہے جس کی ناقص نقلیں اس دنیا میں نظر آتی ہیں۔ عالم حواس کی ہر شے عالم مثال کی نقل ہے۔"(۴)

ارسطو نے شاعری کی ماہیت، شاعری اور تاریخ، کلام موزوں اور شاعری کے پہلوؤں کو ناقدانہ انداز میں پیش کیا اور اردو ادب کے ناقدین کے لیے تنقیدی سمت کا تعین کیا۔ انھوں نے شاعری اور فنون لطیفہ میں مشترک اقدار اور تقلیدی فن کے تصور کو پیش کیا۔ انھوں نے شاعری میں واقعاتی حقیقتوں کو شاعرانہ عمل کی تخلیقی بصیرت اور فن پارے میں موجود حالات و واقعات کو نئے انداز سے پرکھنے اور جانچنے کی سمت متعین کی۔ نقالی یا تقلید کے ساتھ عملی تنقید، حال اور ماضی کی جہتوں کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرنے، شاعر اور صنف ادب دونوں پر تجزیہ کرنے کی روایت قائم کی۔ ارسطو کے نزدیک شاعری تاریخ سے زیادہ فلسفیانہ ہوتی ہے کیوں کہ مورخ خود کو امر واقعہ کا امیر سمجھتا ہے اور شاعر خصوصی واقعات کو عمومی اور آفاقی تصور کرتا ہے۔ شاعر بھی فلسفی کی طرح کائنات کی حقیقتوں کی کھوج لگاتا ہے اور صداقتوں کو اجاگر کرتا ہے۔ ارسطو شاعری میں تین اہم نکات کی طرف اشارہ کرتا ہے:

۱۔ شاعری نقالی ہی نہیں بلکہ فلسفیانہ حیثیت بھی رکھتی ہے۔ شاعری کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ آفاقی صداقتوں کی حامل ہوتی ہے۔

۲۔ شاعری آفاقی اور کائناتی ہوتی ہے اور زمان و مکان کی اسیر نہیں ہوتی ہے یہ اخلاق کو خراب نہیں کرتی بلکہ انسان کو بہتر انسان بنانے کی ترغیب کرتی ہے۔

۳۔　شاعری میں اخلاق، مسرت اور فلسفہ کے پہلو ہوتے ہیں۔ اس لیے شاعری اخلاق کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ شاعری اور فلسفہ دونوں آفاقی اور کائناتی صداقتوں کی تلاش کرتے ہیں اور اس لیے ان دونوں میں کوئی خاص تفریق نہیں ہے۔ شاعری اور فلسفہ دونوں میں وحدانی پہلو کی موجودگی کے افلاطون بھی قائل تھے، لیکن انھوں نے ارسطو کی طرح فلسفہ اور شاعری کے متفرق تضاد کو دور نہیں کیا بلکہ ارسطو نے اس تضاد کو دور کیا اور شاعری اور فلسفہ دونوں میں کائناتی صداقتوں کی متلاشی بھی کی۔ ارسطو نے شاعری میں صداقت کی تلاش اور اخلاقی پہلو کی نسبت جمالیاتی پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی سعی کی۔ ارسطو اپنی کتاب 'خطابت (Rhetorics)' میں شاعری کے فنی اصولوں کو سمجھنے اور شعوری طور پر بہتر سے بہتر ادب تخلیق کرنے کی طرف ادیبوں، شاعروں اور ناقدین کی توجہ مرکوز کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی": شاعری آفاقی صداقتوں سے سروکار رکھتی ہے، جبکہ تاریخ مخصوص واقعات سے سروکار رکھتی ہے۔"(۵)

ارسطو نے جمالیاتی طور پر ادب کو پرکھا اور تنقیدی تصورات کی بنیاد قائم کی۔ ان کے تنقیدی تصورات و نظریات ہر دور کے نقاد کے لیے مشعل راہ ہیں اور فن شاعری کے لیے جو تنقیدی اصول نے وضع کیے، آج بھی ناقد کسی نہ کسی طرح ان سے استفادہ ضرور کرتا ہے۔ احساسِ جمال کے ضمن میں پروفیسر محمد حسن رقم طراز ہیں:

> "حسین اشیا اور فنی شہ پارہ بقول ارسطو غیر حسین اشیا اور مناظر فطرت سے صرف اسی بات میں مختلف ہیں کہ اوّل الذکر میں بکھرے ہوئے اجزا ہم آہنگ کر دیے جاتے ہیں۔ ارسطو کے نزدیک تناسب کے اس احساس کے بغیر کوئی فن پارہ وجود میں نہیں آتا اور یہ ایک لمحہ کے اندر بغیر اجزا کے علیحدہ علیحدہ سمجھتے ہوئے یکایک وحدت کے احساس کا ذہن میں کوند جانا ہی احساس جمال ہے"(۶)

ارسطو اپنے تنقیدی تصورات میں جمالیاتی نقطہء نظر کو اجاگر کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں ناقد وقع علم کا سرچشمہ ہونا چاہیے اور جزو کی بجائے مکمل فن پارے پر تنقیدی میعار قائم کرے۔

کولرج (Coleridge) مغربی تنقید میں اہم مقام رکھتا ہے اور اس نے شعر و ادب میں مختلف نظریات و تصورات کو پیش کیا۔ ان کے تنقیدی نظریات میں فن اور تقلید، قوت متخیلہ (Imagination)، وزن اور بحر، جذبات اور شعری زبان اہمیت کے حامل ہیں۔ کولرج فن کو تقلید بھی کہتا ہے اور علامتی اظہار بھی۔ ان کے ہاں بھی تقلید مختلف انداز میں فطرت کی نقالی کرتی ہے۔ کسی بھی شے کی تقلید عام فطرت یا آفاقی فطرت کی نقالی ہے۔ انھوں نے شاعری کو بنیادی طور پر مثالی چیز اور آفاقیت تصور کیا۔ فن تقلید میں ذہن اور فطرت دونوں میں ہم آہنگی کے تصور کو پیش کیا۔ انھوں نے فن کار کو اشیا کی تقلید کرنے کی بجائے اُن اشیا میں کار فرما روح

کی تقلید کرنے کو اہم تصور پیش کیا۔ کولرج کے نزدیک اولین متخیلہ (Primary Imagination) گردوپیش کے بے معنی حسی تاثرات کو مفہوم عطا کرتی ہے اور اس طرح انتشاری کیفیت سے ایک عالم کی تخلیق نو ہوتی ہے۔ ایک ثانوی متخیلہ (Secondary Imagination) ہے یہ شعوری قوت کہلاتی ہے، لیکن وہ شعوری قوت ہوتے ہوئے بھی اولین متخیلہ سے بنیادی طور پر الگ نہیں ہوتی۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی:

> "تخیّل میرے نزدیک یا تو بنیادی ہوتا (Primary) ہے یا ثانوی۔ بنیادی تخیل کو میں عام انسانی ادراک اور زندہ قوت کا محرک سمجھتا ہوں۔ اور نفس محدود میں دائمی تخلیقی عمل کے لا محدود "میں ہوں" کی تکرار کی حیثیت رکھتا ہے۔ ثانوی تخیل کو میں اس کی صدائے بازگشت سمجھتا ہوں جو شعوری ارادے کے ساتھ ساتھ موجود ہوتا ہے، تاہم اپنی مخصوص کی فعالیت میں بنیادی تخیل سے بعینہ مماثل ہوتا ہے۔ اور ان دونوں میں (یعنی بنیادی اور ثانوی تخیل میں) صرف درجے اور دائرہ عمل کے طریق کار کا فرق ہوتا ہے" (۷)

کولرج کے نزدیک صحیح شعور شاعری کا جسم ہے، متصورہ اس کا لباس ہے۔ تحریک اس کی زندگی ہے اور متخیلہ اس کی روح ہے جو ان سب اجزا کی ترکیب سے ایک بہترین وحدت کی تخلیق کرتی ہے۔ کولرج شعر و ادب کے لیے وزن اور آہنگ کو ضروری سمجھتے ہیں۔ انھوں نے شاعر کے لیے جذبات اور شعری زبان کی منفرد ترکیب کا تصور پیش کیا۔ انھوں نے اپنے تنقیدی تصورات میں فن کی وحدت کا تصور پیش کیا۔ شعری ادب پارے میں کولرج وحدت کو پیش کرتے ہوئے نظم کی اہمیت اور قدر و قیمت کو پیش کرتے ہیں کہ نظم میں اگر ایک لفظ یا فلاں شعر سے ایک لفظ کو ہٹایا یا بدلہ نہیں جا سکتا ہے تو یہ اس نظم یا شعر کی وحدت کو پیش کرنے کا طریقہ ہے۔

میتھیو آرنلڈ (Mathew Arnold) اپنے دور کا ایک عظیم نقاد تھا۔ آرنلڈ نہ صرف ادب کی نوعیت سے مشہور نقاد تھا بل کہ تنقید کی حیثیت سے بھی جانا جاتا تھا۔ اس نے ادب اور زندگی کے تعلق کو پیش کرنے کی سعی کی۔ اس ضمن میں ڈاکٹر سجاد باقر رضوی رقم طراز ہیں:

> "میتھیو آرنلڈ کا کمال یہ ہے کہ اس نے ادب کو زندگی کے حوالے سے اور زندگی کو ادب کو تنقید کے حوالے سے پرکھنے کی کوشش کی۔ ادب کو "تنقید حیات" بنا کر اس نے ادب اور زندگی کے رشتے کو استوار کیا اور تنقید کو پوری زندگی کی تنقید کے عظیم تر

منصب پر فائز کیا۔ آرنلڈ کی تنقید معاشرے کے تہذیبی عوامل کو پیش نظر رکھتی ہے۔ چوں کہ ادبی تخلیقات پورے تہذیبی عمل کا ایک حصہ ہوتی ہیں، اس لیے آرنلڈ ادب و فن کو پوری تخلیقی زندگی کا محض ایک پہلو سمجھتا ہے اور نقاد کے سپرد یہ کام کرتا ہے کہ وہ اعلیٰ خیالات و اقدار کو معاشرے میں پھلائے۔"(۸)

میتھیو آرنلڈ نے ادب اور زندگی کے عوامل اور محرکات کو پیش کیا اور ان کے ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگی کو اجاگر کیا۔ انھوں نے شاعری میں سنجیدہ پہلوؤں کی پیش کش کی۔ ان کے تنقیدی نظریات و تصورات میں معاشرتی عوامل کارفرما ہیں۔ انھوں نے معاشرتی مسائل، سیاسی، اخلاقی، مذہبی، معاشی، سماجی اور نفسیاتی پہلوؤں کو اپنی فنی اور ادبی تخلیقی کاوشوں میں پیش کیا۔ آرنلڈ نے عوام الناس میں تہذیبی قدروں کو اجاگر کیا۔ انھوں نے مادی ترقی سے زیادہ مفید روحانی تسکین کو انسانی زندگی کے لیے ضروری تصور کیا۔ معاشرتی زندگی میں "حلاوت اور روشنی" کی تلاش کی اور تعصّبات سے بالاتر ہو کر زندگی کی اعلیٰ قدروں، روشنی طبع اور جمال زندگی کی تلاش کا درس دیا۔ آرنلڈ نے معاشرے میں شاعری اور تنقید دونوں ی اہمیت کو پیش کیا۔ انھوں نے تنقید کے ذریعے غیر ذاتی و معروضی نقطۂ نظر سے اعلیٰ ترین افکار و خیالات کو تلاش کیا اور اس کی نظر میں شاعری اور تنقید دونوں معاشرے اور انسانی تہذیب کی ترقی کے لیے اہم ہیں۔ اس نے شاعری کو زندگی کی تنقید کا نام دیا ہے اور شاعری کا کام "حلاوت و روشنی" یا "حسن و عقل" کی اعلیٰ اقدار و روایات کو وسیع کرنا ہے۔ ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ (T.S Eliot) مغربی ناقدین میں ایک اہم نام ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف "تنقید کا منصب" میں نظری اور عملی تنقید دونوں میدانوں میں اپنے خیالات و تصورات کو پیش کیا ہے اور رومانوی تحریک کی نفی کی ہے۔ اس نے ناقدین کو ادب کے گہرے مطالعۂ کرنے اور فن پارے کو تنقیدی نگاہ سے پرکھنے کی تلقین کی۔ ادبی تنقید کے لیے ایلیٹ نے اپنی پسند اور ناپسند کے عنصر کو پس پست ڈال کر تنقید کے درست اصولوں کو اپنانے کی سعی کی ہے۔ ایلیٹ کے نزدیک تنقید فن کار کے تخلیق کردہ الفاظ کا انتخاب، ساخت اور ردوبدل وغیرہ کو منتخب کرنے میں بڑی محنت درکار ہوتی ہے۔ فن کار کو تنقید کے اصولوں سے واقفیت ہو اور اپنے کام میں مہارت حاصل ہو۔ نقاد کو فن کار کے تخلیقی ذہن کو پرکھنے اور جانچنے کی مہارت ہو، تب ہی ایک اچھی تخلیق پیش کی جاسکتی ہے۔ انھوں نے ناقد کے تقابلی تنقید کے مطالعہ کو بھی ضروری قرار دیا۔

ایلیٹ کے نزدیک نقاد کو علوم نفسیات، تنقیدی اصولوں اور دوسرے علوم سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے، تب ہی وہ کسی فن پارے کی قدر و قیمت کا اندازہ لگا سکتا ہے۔ ادب پارے کی صحیح معنویت اور تفہیم کو معلوم کرنے کے لیے ناقد کو فن پارے سے متعلق مکمل آگاہی ہو۔ انھوں نے روایت کے بارے میں اپنے تنقیدی خیالات کو بھی بیان کیا ہے کہ بسا اوقات ہم کسی اعلیٰ اور غیر صحت مند روایت میں تمیز نہ کرتے ہوئے کسی پرانی روایت سے منسلک ہو جاتے ہیں اور اس طرح جذباتیت اور حقیقت میں تمیز نہیں

رہتی۔ انھوں نے اس روایت کو برقرار رکھنا چاہا ہے جس میں معاشرے کے لیے کار آمد اور مفید چیزیں ہیں۔ وہ روایت بے کار ہے جس میں معاشرے کے لیے مثبت پہلو شامل نہیں ہیں۔ بقول ڈاکٹر سجاد باقر رضوی:

> "ایلیٹ کے نزدیک شاعر کے روایتی ہونے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اسے زندگی اور ادب میں ابدی و فانی دونوں قسم کے عناصر کا شعور ہو، ساتھ ہی ابدی و فانی دونوں عناصر کا اکٹھا شعور ہو۔ یہی وہ شعور ہے جس کے باعث شاعر کو اپنے زمانے کا شعور ہوتا ہے اور اسی شعور کے باعث وہ خود اپنا ہم عصر جاتا ہے۔ یہی وہ تاریخی شعور اور روایت کا احساس ہے جس کی مدد سے ادب کی صحیح جانچ پرکھ اور اعلیٰ تخلیق ممکن ہے" (۹)

ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ شاعر کے روایتی ہونے پر اعتراض نہیں کرتے بل کہ اس کے فن پارے میں زندگی سے ہم آہنگی کا عنصر موجود ہو، اس کے فن پارے میں زندگی اور ادب میں ابدی و فانی دونوں طرح کے عناصر کارفرما ہوں۔ روایت کے ساتھ ساتھ ایلیٹ کا انفرادیت اور شخصیت سے متعلق بھی تصور الگ ہے۔ روایت موجودہ زندگی سے مل کر فن کار کے لیے مواد کی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں فن کار کے ذہن میں ایک دوسرے پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ایک نئی چیز تخلیق ہوتی ہے۔ ماضی کے فن کار ہم سے دور نہیں ہیں اور ہم ان سے زیادہ علم رکھنے کی بنا پر ان سے بہتر نہیں کیوں کہ "وہی لوگ تو ہمارا علم ہیں" کیوں کہ ایک ناقد جب کسی ادیب یا شاعر کے فن پارے کے متعلق تنقید کرتا ہے تو اسے اس کے ہم عصر اور ماضی کے شعراء اور ادیبوں کے فن پاروں سے تقابل اور تجزیاتی موازنہ کرنے کے بعد ہی کوئی رائے پیش کر سکتا ہے اور اس ادب پارے کی صحیح جانچ پرکھ کر سکتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، فلیپ، مشمولہ، مقدمہ شعر و شاعری، مرتب، ڈاکٹر وحید قریشی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء

۲۔ عبدالحکیم، خلیفہ، مختصر تاریخ فلسفہ یونان، الوقار پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۶، ص ۱۲۱

۳۔ ایضاً، ص ۱۲۷

۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۳۹

۵۔ ایضاً، ص ۸۰۱

۶۔ محمد حسن، پروفیسر، مشرق و مغرب میں تنقیدی تصورات کی تاریخ، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۲۰۰۰ء، ص ۸۵

۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، ارسطو سے ایلیٹ تک، ص ۹۳

۸۔ سجاد باقر رضوی، ڈاکٹر، مغرب کے تنقیدی اصول، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان، اسلام آباد ۲۰۱۶ء، ص ۱۲

۹۔ ایضاً، ص ۶۱۲